پنجابی ادب کی لسانی روایات

محمد آصف خاں/پروین ملک

پنجابی زبان ایک وسیع وعریض خطے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، اس کا تانا بانا دلی (بھارت) سے خیر پور (سندھ) اور پشاور (صوبہ سرحد) سے جموں (مقبوضہ کشمیر) تک پھیلا ہوا ہے۔ جبھی تو چکوال کے مولوی محمد سلیمان ''معراج نامہ کلاں 1899ء'' میں کہتے ہیں۔

پشاور تھیں جمنا تائیں، چنبہ تھیں تا ڈیرہ
بولن سمجھن لوک پنجابی، سچا سخن ایہہ میرا

(ترجمہ: پشاور سے جمنا تک اور چنبہ سے ڈیرہ تک، لوگ پنجابی بولتے اور سمجھتے ہیں، میرا کہا سچ جانو)

صاف ظاہر ہے کہ اتنی وسیع سرحدوں میں زبان کا ایک ہی روپ برقرار نہیں رہ سکتا۔ سندھی کہاوت ہے (ترجمہ: سندھ میں چپے چپے پر بولی بدل جاتی ہے) اسی طرح پنجابی میں کہا جاتا ہے کہ ''بارھاں کوہاں تے بولی بدل جاندی اے'' (ترجمہ: بارہ کوس پر زبان بدل جاتی ہے) یہی مثال پشتو، بلوچی اور دنیا کی دوسری زبانوں پر بھی صادق آتی ہے۔

بول چال کی زبان کے مقامی نام بہت سے ہیں، سندھ میں اسے ''سرائیکی''، پشاور میں ''ہندکو''، جموں میں ''پہاڑی اور گوجری'' اور دلی کے اِدھر والے مضافات میں ''پوادھی'' کہا جاتا ہے، اس کے مقامی نام اور بھی کئی ہیں جیسے ''لہندی''، ''ملتانی''، ''ریاستی''، ''پوٹھوہاری''، ''دھنی''، ''ماجھی''، ''ملوائی'' دوآبی وغیرہ۔

ہمارے کئی شعراء مولوی لطف علی (سیفل نامہ 1794ء) مولوی عبدالحکیم (یوسف زلیخا 1803ء) حمل فقیر (1814ء-1875ء) حافظ محمد لکھو کے (1815ء-1893ء) نے اسے ہندی یا ہندوی بھی کہا ہے۔

یہ زبان بہت عرصہ سے ادبی اظہار کا وسیلہ تھی مگر پہلی بار اسے ''پنجابی'' کا نام

حضرت نوشہ گنج بخش (1552ء) نے دیا۔

پنجابی وچ کیوں پڑھو، پڑھو عربی وچ
تو را کلمہ عرب ہے، پڑھے نہ ہووے زِچ

(ترجمہ: پنجابی میں پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔عربی میں کلمہ پڑھو تا کہ زحمت نہ ہو)

دوسرا شاعر حافظ برخوردار، مفتاح الفقہ (1669ء) میں پنجابی کا لفظ یوں برتتا نظر آتا ہے۔

حضرت نعمان دا فرمایا، اس وچ اوہ مسائل
تُرت پنجابی آکھ سناویں جے کو ہووے مائل

(ترجمہ: اگر کوئی سننے کی طرف مائل ہو تو حضرتِ نعمان کے فرمان میں بیان کردہ مسائل جھٹ سے سنا دینا)

''قصہ قضاء قدر'' میں حافظ برخوردار کہتے ہیں۔

حافظ آن سنایا قصہ، بولی وچ پنجابی

مولوی کمال دین نے ''انتخاب الکتب'' (1120ھ/1708ء) میں لکھا۔

ویکھ کتاباں مسلے جوڑے، وچ زبان پنجابی
یاد کروتے پڑھو ہمیشہ، نال طبیعت تازی

سرگودھا کے صدیق لالی (بحرالعشق: 1725ء) میں کہتے ہیں۔

ستارھویں ایہہ حدیث نبیؐ دی، آکھ صدیق پنجابی

ڈیرہ غازیخان کے قاضی امام بخش شیروی نے ''باغ و بہار'' (1897ء) میں لکھا۔

بعد ازاں وچ اردو تھئے، تالیف حکم سجانے
ہَن بولی پنجابی جوڑیم، قصے بوہت پرانے

(ترجمہ: میں نے بہت عرصہ پہلے جو قصے پنجابی میں جوڑے تھے وہ حکمِ سبحانی سے بعد ازاں اردو میں تالیف ہوئے)

مظفر گڑھ کے مولوی اللہ بخش خادم نے ہیر رانجھا (1923ء) میں یوں اظہار کیا۔

بلُبل بستان، شعر پنجابی، شیر شکرا شعار اے

قرب جوار پنجاب اندر، خود ایہہ شاعر جرار اے

(ترجمہ: میرے پنجابی اشعار، گلستاں میں چہکنے والی بلُبل جیسی شیرینی لئے ہوتے ہیں اس لئے پنجاب کے قرب وجوار تک یہ شاعر سبھی اہلِ سخن سے بڑھ چڑھ کر ہے)

فقط پنجابی ہی نہیں بلکہ یہاں کی تقریباً ساری زبانوں کیلئے ''ہندی'' کا لقب صدیوں سے رائج ہے۔ مثلاً ''مقالاتِ اردو'' (صفحہ 27) میں سید سلیمان ندوی نے بیان کیا ہے کہ عرب کے باسی یہاں کی ساری زبانوں۔۔۔۔ سنسکرت، پالی، سندھی، ملتانی، گجراتی وغیرہ کو ''ہندی'' ہی کہتے ہیں۔ شہریار نے (270ھ/883ء) میں یہاں ہوئے قرآنِ کریم کے ترجمہ کی زبان کو ''ہندی'' کہا ہے۔ (سندھی دوست اس ترجمہ کو سندھی کے کھاتے میں شمار کرتے ہیں)

اسی طرح ''الفہرست (377ھ/987ء) میں بھی ان کتابوں کی زبان ہندی بتائی گئی ہے جو فارسی میں ترجمہ کی گئی تھیں۔

ہمارے کلاسیکی شعراء نے اپنی زبان کو ہندی کہا یا پنجابی، یہ امر بہت واضح ہے کہ انہوں نے مقامی بولیوں کو کبھی ادبی وسیلہء اظہار نہیں بنایا۔ یہ تو سبھی جانتے اور مانتے ہیں کہ ادبی زبان، عام بول چال کی زبان سے منفرد ہوتی ہے، یہ فقط ادبی اظہار کیلئے برتی جاتی ہے کیونکہ یہ لکھنے والوں کی کاوشوں کے نتیجے میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی کہ جس زبان کو ادبی رتبہ دیا جاتا ہے وہ اپنے اوپر ایک ایسا غلاف لئے ہوتی ہے جس کے تار و پود میں مقامی بولیوں کے رنگ برنگے تار اپنی بہار دکھا رہے ہوتے ہیں۔

پنجابی ادبی زبان کی بنیاد حضرت بابا فرید گنج شکر نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی۔ حضرت بابا فرید ''لہندے'' (مغربی سمت) کے باسی تھے اس لئے ہماری ادبی زبان کی تعمیر و ترتیب کرتے وقت بنیاد ''لہندی'' کو ہی گردانا گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد میں آنے

والے لکھاریوں نے حضرت بابا صاحب کے نقشِ قدم پر چل کر انہی کی رِیت نبھائی۔

گورونانک اور وارث شاہ (شیخوپورہ) شاہ حسین (لاہور) نوشہ گنج بخش (گجرات) دمودر اور سلطان باہو (جھنگ) بُلھے شاہ (قصور) حافظ برخوردار اور نجابت (سرگودھا) شاہ مراد (جہلم) سچل سرمست (خیرپور) چراغ اعوان اور خواجہ فرید (ڈیرہ غازی خان) میاں محمد بخش (میرپور) برد اپشاوری (پشاور) مولوی غلام رسول (ہوشیارپور) ان سب نے جغرافیائی یا بدلتی ہوئی انتظامی حد بندیوں کی پابندی نہیں کی بلکہ وہی ادبی زبان اظہار کیلئے منتخب کی جسے اب پنجابی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اب ہم کچھ ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جو یہ واضح کرتی ہیں کہ ادبی بولی کو اظہار کا ذریعہ بناتے ہوئے لکھنے والوں نے اپنی ذاتی یا مقامی بولیوں کی جگہ دور دراز کی بولیوں کو اپنی تخلیقات میں جگہ دی اور یوں پنجابی کے خزانے میں اضافے کا باعث ثابت ہوئے۔

1۔ لاہور اور جھنگ کی مقامی بولیوں میں ماضی مطلق معلوم، واحد متکلم کیلئے وہ صیغہ نہیں برتا جاتا جو ہمارے لکھنے والوں نے برتا۔

ا: لاہور کے شاہ حسین نے کہا۔

کڈھ کلیجہ کیتم بیرے، سو بھی لائق ناہیں تیرے
ہور توفیق نہیں کجھ میرے، پیو کٹورا پانی دا

(ترجمہ: میرے جگر پارے آپ کے لئے لائقِ تحسین نہ ٹھہرے، تو اب اس سے بڑھ کر تو مجھے توفیق نہیں آپ پانی کا کٹورا پئیں)

ب: جھنگ کے مولوی عبدالکریم نے لکھا۔

منیم مولیٰ ہے جیویں، اسماں صفتاں نال
سبھ قبولیئم حکم اوس، ایماں مجمل بھال

2۔ لاہور اور شیخوپورہ میں ''مینڈا، تینڈا'' نہیں بولتے پر ہمارے لکھاریوں نے ان الفاظ کو برتا۔

ا: شیخوپورہ کے بابا نانک نے لکھا۔

چارے کُنڈاں ڈھونڈیاں کوءِ نہیں مینڈا

جے تُدھ بھاوے صاحبا، تاں میں ہاں تینڈا

(ترجمہ: چاروں سمت تلاش کیا، کوئی اپنا نہیں، صاحبا! اگر تجھے بھائے تو میں تیرا ہوسکتا ہوں)

ب: لاہور کے شاہ حسین کہتے ہیں۔

مینڈی دل تینڈے نال لگی

توڑی نہیں ٹُٹدی، چھوڑی نہیں چھٹدی، قلم ربانی وگّی

(ترجمہ: میرے دل کی لگی کا حکم قلمِ ربانی سے لکھا گیا اب یہ توڑے نہیں ٹوٹتی اور چھوٹے نہیں چھُٹتی)

3۔ ملتان اور اسی کے گردونواح میں ''میری، تیری'' کے الفاظ نہیں برتے جاتے مگر دیکھئے ہمارے لکھنے والوں نے کیا لکھا؟

ا: ملتان کے مولوی نبی بخش

چھڈ تیری، میری، میری، ہو خاک بھسم دی ڈھیری

تھیسی خادم خلقت تیری، جدوں ہوسن صاف صفائیاں

(ترجمہ: تیری، میری کے جھگڑے چھوڑ کے اپنے آپ کو خاک اور راکھ کی طرح عاجز بنالے تو ساری خلقت تیری گرویدہ ہوجائے گی)

ب: نورنامہ (سرائیکی)

مقصد تیرے مطلب میرے، اے محبوبا میرے

ڈہ دریا میں پیدا کیتے، بھرے محبت تیرے

(ترجمہ: میرے محبوب! میں نے تیری خاطر محبتوں کے دریا بہادیئے)

4۔ قصور، میرپور اور ہوشیار پور میں مستقبل کے بیان کیلئے ''سی'' صیغہ نہیں بولتے مگر

ہمارے شعراء نے ادبی اظہار کیلئے یوں لکھا۔

ا: قصور کے بُلھے شاہ

بھلی ہیر سلیٹی مردی، بیلے ماہی ماہی کردی
کونہ ملیا دل دادردی، ملساں رانجھن یار

(ترجمہ: ہیر جنگل بیلے ماہی، ماہی کُوکتی پھر رہی ہے مگر اس کے دل کا درد سمجھنے والا کوئی نہ ملا، وہ عہد کرتی ہے میں اپنے محبوب سے ضرور ملوں گی وہی تو میرا غمگسار ہے)

ب: میر پور کے میاں محمد

جیہناں طلب قصے دی ہوسی، سن قصہ خوش ہوسن
جیہناں جاگ عشق دی سینے، جاگ سویلے روسن

(ترجمہ: جنہیں قصہ سننے کی خواہش ہے وہ تو سن کر خوش ہو جائیں گے مگر جن کے دل میں عشق کا ڈیرہ ہے وہ آنکھ کھلتے ہی خواب خیال کی باتیں سوچ کر آنسو بھر لائیں گے)

ج: ہوشیار پور کے مولوی غلام رسول

اے فرزندو! وچ تساڈے یوسف دسِدا ناہیں
گیا کتھے مُڑ پھر کدملسی، روندیاں کرکر آہیں

(ترجمہ: اے فرزندو! تمہارے درمیان یوسف کہیں نظر نہیں آ رہا، وہ کہاں گیا؟ پھر کب ملے گا؟ میری آہیں اور آنسو پوچھتے ہیں)

5۔ ملتان اور اس سے آگے کے علاقوں میں مستقبل کیلئے ''گا'' کا صیغہ بول چال کی زبان میں موجود نہیں مگر ہمارے لکھنے والوں نے اسے برتا۔

ا: بابا فرید

روٹی میری کاٹھ دی، لاون میری بھکھ
جیہناں کھادی چوپڑی، گھنے سہن گے دُکھ

(ترجمہ: میری روٹی لکڑی اور بھوک سالن ہے، جو چُپڑی کھاتے ہیں انہیں انجام کار دُکھوں سے پالا پڑے گا)

ب: لاہور کے شاہ حسین نے ایک ہی کافی میں ''گ'' پہاڑی کا اور ''سی'' ملتانی کا مستقبل کیلئے برتے۔

عملاں اُپر ہوگ نبیڑا، کیا صوفی کیا بھنگی
جورب بھاوے سوای تھیسی، ساای بات ہے چنگی

(ترجمہ: کوئی صوفی ہو یا بھنگی ان کے درجات کا تعین اعمال کی بنا پر ہی کیا جائے گا۔ ہوگا وہی جورب کو منظور ہوگا)

6۔ اسی طرح ہمارے شعراء نے حرفِ عطف ''نوں'' اور ''کُوں'' کا استعمال کیا مگر اس طرح کہ جو ''نوں'' بولتے تھے انہوں نے ''کُوں'' لکھا اور جو بول چال میں ''کُوں'' بولتے تھے انہوں نے ''نوں'' برتا۔

ا: ملتان کے بابا فرید

صاحب دی کر چاکری، دل دی لاہ بھراند
درویشاں نوں لوڑیے رُکھاں دی جیر اند

ب: خیر پور (سندھ) کے سچل سرمست

لوکاں نوں خبر کیہی، طعنے ڈیوے جنی جنی
اصلوں آہی نال رانجھن دے، پرت میڈی گھنی گھنی

(ترجمہ: لوگ کیا جانیں میری لگن رانجھن کے ساتھ کتنی گہری ہے انہیں تو بس طعنے دینے سے کام ہے)

ج: حضرت خواجہ غلام فرید نے لکھا

درد اندر دی پیڑ، ڈاڈھا سخت ستایا
ہجر فراق دے تیر، دل نوں مار مُو نجھایا

(ترجمہ: ہجر فراق کے تیر یوں دل کو چیر گئے کہ درد ہی درد باقی ہے)

رکھ طرح طریق توکل نوں
کر حوصلہ صبر تحمل نوں

ول وصل وصال مہانگے نیں

(ترجمہ: توکل کو اپنا شعار بنا کے حوصلہ، صبر اور تحمل کے وصف پیدا کرو تو پھر وصل وصال کے مراحل خود ہی طے ہو جاتے ہیں)

د: ملتان کے میاں محمد مسکین

اول صفت اللہ نوں آکھاں، لائق جس نوں پاکی

بار درود محمدؐ نوں، جس سیر کیتی افلاکی

ر: شیخوپورہ کے وارث شاہ کہتے ہیں

رانجھے آکھیا پار لنگھاابّا

میں کُوں چاڑھ لے رب دے واسطے تے

(ترجمہ: رانجھے نے کہا اے بزرگ! مجھے اللہ واسطے کشتی میں بٹھا کر پار اتار دو)

7۔ اسی طرح جنہوں نے ''کنوں'' لکھا وہ ''توں'' بولتے تھے اور ''توں'' لکھنے والے ''کنوں'' بولتے تھے۔

ا: خواجہ غلام فرید

بھاگ سہاگ سُنجی توں رُٹھڑے

سہار، حمیلاں، گانے تڑُٹڑے، ٹوٹے بانہہ چُوڑیلی وویار

(ترجمہ: تقدیر میں ویرانی لکھی تھی اس لئے سہاگ کی ساری نشانیاں مجھ سے روٹھ گئیں، ہار، حمائل، بازو بند ٹوٹ چکے اور چوڑیوں کے ٹکڑے بکھر گئے ہیں)

غوث قطب سبھ تُو توں صدقے

کون فرید فقیر

(ترجمہ: سب غوث قطب تم پر سے واری، فرید فقیر کی کیا مجال)

ب: گوجرانوالہ کے مولوی غلام رسول

تساڈے ہجر نے دل چُور کیتا

قضا دلبر کنوں مہجور کیتا

(ترجمہ: آپ کے ہجر میں دل چُور چُور رہو گیا، قضا نے دلبر کا ہجر بخش دیا)

ج: میر پور کے میاں محمد

حضرت جی دی سُنت اتے قائم رہے ہمیشہ

روون در محبت کنوں، سدا او ہناں دا پیشہ

(ترجمہ: ہمیشہ حضرت جی کی سنت قائم رکھی؛ محبت میں رونے کو اپنا شعار بنا کر)

اور بھی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں پر میرے خیال میں درجِ بالا سے ہی وہ بات واضح ہو جاتی ہے جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

پہلی بات یہ کہ پنجابی کی کلاسیکی شاعری کی بولی لہندی قرار پائی تھی اس لئے لکھنے والوں نے اپنی نجی اور مقامی بولیوں اور بولڑیوں کو تیاگ کر اسے ذریعہ اظہار بنایا۔ دوسری یہ کہ ادبی بولی سمندر کی مثال ہوتی ہے جس میں بولیوں کے ندی نالے گھلتے ملتے رہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ بات یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے لکھنے والوں نے اپنی زبان کے ابلاغ کو موثر بنانے کیلئے ایسے الفاظ برتے جو وہ خود تو نہیں بولتے تھے مگر ان کی خواہش تھی کہ یہ الفاظ قائم رہیں۔

یہ تو تھی کلاسیکی لکھنے والوں سے چلی آ رہی لسانی روایت۔۔۔۔ مگر آگے چل کر اس میں دراڑیں پڑ گئیں۔۔۔۔۔ اب اس کیفیت کا جائزہ لیتے ہیں۔

حکمرانی کا یہ پہلا اور بنیادی اصول اور قانون ہے کہ مفتوحہ علاقوں پر حاکم اپنی زبان ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ لوگ اپنی زبان سے محروم ہو جائیں اس کے بعد مزید لوٹ کھسوٹ کیلئے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ مفتوح اپنے آپ کو کمتر سمجھتے ہوئے حکمرانوں کے سانچے میں خود کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مسعود غزنوی کے دور میں پنجاب پر فارسی مسلط کر دی گئی تھی پر اس کا دائرہ کار دربار تک محدود تھا۔ مغل بادشاہ اکبر (1556ء- 1605ء) کے دور میں اس کے وزیر ٹوڈرمل نے فارسی کا عمل دخل بڑھایا۔ فارسی کا چلن 1855ء تک پنجاب میں جاری و ساری رہا۔ مقامی زبان پنجابی اور سرکاری زبان فارسی اپنے اپنے دائرہ کار میں برتی جاتی رہیں۔

ڈاکٹر لیٹنر کی کتاب بتاتی ہے کہ اس وقت تک پنجاب، تعلیم کے معاملے میں سب سے آگے تھا۔ شہر تو شہر، دور دراز علاقوں میں بھی ایسے مدرسے قائم تھے جنہیں درمیانہ درجے کی یونیورسٹی قرار دیا جا سکتا ہے، ان مدرسوں میں عربی، فارسی، سنسکرت زبانوں کے علاوہ فقہ، قانون، طب، ریاضی اور دوسرے علوم پڑھائے جاتے تھے اور ان کا ذریعہ تعلیم پنجابی تھی۔ کسی حکومت نے اس ذریعہ تعلیم پر کبھی کھلم کھلا اعتراض نہیں کیا مگر جنوری 1856ء میں یکا یک اردو اور انگریزی کو ذریعہ تعلیم کے طور پر لاگو کر دیا گیا۔

ڈاکٹر لیٹنر نے لکھا ہے کہ اس جبر کے خلاف پنجاب میں کئی جگہوں پر احتجاجی مظاہرے ہوئے مگر انگریزوں نے ڈنڈے کے زور پر انہیں دبا دیا۔

انگریزی اس لئے لاگو کی گئی کہ یہ حاکموں کی زبان تھی، اردو اس لئے مسلط کی گئی کی یہ انگریزی کے منشیوں، مصدّیوں کی زبان تھی جن کی وفاداری انگریزی حکومت کے ساتھ مسلّم تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ جمنا پار سے ہزاروں لوگ تلاشِ روزگار میں پنجاب آ گئے۔

مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی وغیرہ بھی انہی میں شامل تھے۔ انہوں نے کرنل ہالرائیڈ کے ساتھ مل کر مشاعرے کی بھولی بسری روایت پھر سے قائم کی، ان کی دیکھا دیکھی لاہور، گوجرانوالہ، امرتسر وغیرہ میں پنجابی مشاعرے بھی ہونے لگے مگر ان مشاعروں نے پنجابی زبان کو نقصان ہی پہنچایا، پنجابی شعراء نے بجائے اپنی دھرتی پر بیتی وارداتوں کے اردو شعراء کی طرح جام و مینا، ساقی اور گل و بلبل کے قصے چھیڑ دیئے۔

ہمارے کلاسیکی شعراء نے جو ایک معیاری ادبی پنجابی کا ڈول ڈالا تھا اس سے یہ پرے ہٹ گئے۔ ان شاعروں نے اپنی نجی اور مقامی بولیوں میں شاعری شروع کر دی۔ اسی دور میں سکھوں نے مرکزی پنجاب کی بولی ماجھی میں لکھنا شروع کر دیا۔ اس آپا دھاپی میں پنجابی جو ایک ادبی زبان کے توسط سے تسبیح کے دانوں کی طرح مربوط تھے وہ بکھرنے لگے۔

1947ء میں پاکستان بن گیا مگر ان بکھرے ہوئے دانوں کو سمیٹنے کا کسی کو خیال نہ آیا۔ 1960ء میں حکومت کو خیال آیا کہ پنجابی جو اب بھی اپنی زبان کے ساتھ جڑے ہیں وہ کسی وقت بھی اعلان کردہ سرکاری زبان کیلئے خطرے کا باعث ثابت ہو سکتے ہیں، چنانچہ

بڑے سرکاری افسران نے اپنے اپنے زیرِ انتظام ایسی ادبی انجمنیں قائم کیں جو مقامی بولی کا سہارا لیکر پنجابی کو چیلنج کریں۔ اسی دور میں سندھی زبان کو بھی سکولوں، کالجوں سے دیس نکالا دینے کی ناکام کوشش کی گئی۔

1962-63ء میں لاہور میں ''مجلسِ شاہ حسین'' قائم کی گئی۔ ہر سال شاہ حسین کے عرس کے موقعہ پر پنجاب بھر کے لکھنے والے سر جوڑ کے بیٹھنے لگے تو انہیں ہوش آیا کہ ان کے ساتھ کیا ہو گیا؟ اس ہوش کے صدقے انہوں نے اپنی توجہ کا رخ کلاسیکی شعراء کے مطالعے کی طرف موڑا اور ان پر روشن ہوا کہ ہمارے لکھنے والے پنجابی کی لسانی روایت سے ہٹتے جا رہے ہیں، سچے قلم کاروں نے اپنی مقامی بولیوں کو چھوڑ کے شعوری طور پر ''لہندی'' کو اپنایا جو ہمارے کلاسیکی ادب کی بنیاد تھی اور جس کا آغاز حضرت بابا فرید گنج شکر نے کیا تھا۔

ماخذ

1) گنج شریف۔نوشہ گنج بخش۔مرتب شرافت نوشاہی

2) کلیات لالی۔پروفیسر ریاض احمد شاد۔پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور 1982ء

3) احسن القصص۔مولوی غلام رسول۔پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور 1987ء

4) آکھیا بابا فرید نے۔محمد آصف خاں۔پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور 1989ء

5) کافیاں شاہ حسین۔محمد آصف خاں۔پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور 1989ء

6) سچل سرمست جو سرائیکی کلام۔مولوی محمد صادق رانپوری۔سندھی ادبی بورڈ جام شورو 1982ء

7) دیوانِ فرید۔مولوی عزیز الرحمٰن۔اردو اکادمی بہاولپور تیسرا ایڈیشن س۔ن

8) ہیر وارث شاہ۔ڈاکٹر محمد باقر۔پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور 1988ء

9) کلامِ نانک۔بھاشا و بھاگ۔پٹیالہ۔

10) نجات المومنین۔مولوی عبدالکریم

11) نورنامہ سرائیکی۔پروفیسر دلشاد کلانچوی۔سرائیکی لائبریری بہاولپور 1975ء

12) کلیات بُلھے شاہ۔ڈاکٹر فقیر محمد فقیر۔پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1960ء

13) باغ و بہار، امام بخش شیروی /اقبال صلاح الدین۔سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 1973ء

(14 History of Indigenous Education in the Punjab since Annexation and in 1882. G.W.Leitner,Language Deptt,Patiala,1971,P71,72